مسند احمد میں مجاہیل کی روایات اور علامہ احمد شاکرؒ کی تعلیقات کا تحقیقی و تطبیقی مطالعہ

ڈاکٹر حبیب الرحمان*

ڈاکٹر محمد خبیب **

Abstract:

Imam Ahmad bin Hanbal (r.a) is a legendry scholar of early Islamic history. He had a huge grip on Ilm e Asma ul Rijaal. He used many principals from other principalities, but mostly he retrieved his own principals and implemented them during his research. The certain topic is a comparative study between his viewpoints and other famous principalities about anonymous narrators and their Ahadith's status. Imam Ahmad (r.a) accepted conditionally many Ahadith from this kind of narrators. His approach to accept from these anonymous narrators is to be well-known among citizens of same arear or sometimes in principalities. But mostly, he has been observed that he accepted many Ahadith's form them without any hard criteria or conditions, that he used in Al-Musnad. While the other hand Allama Ahmad Shakir (Egyptian) paid a research study & commentary on Al-Musnad and he also adopted the viewpoint of famous principalities as well as Imam Ahmad's viewpoint at some Ahadith's. We found many places where Imam Ahmad (r.a) and Allama Ahmad Shakir both are following contradictive rules. Imam Ahmad (r.a) uses his own principals but Allama Ahmad Shakir mostly follows majority based rules. In this article, with an analytical study, some of his major and innovent concepts and justified principals about anonymous narrators are discussed in the light of Al-Musnad by Imam Ahmad (r.a).

Keywords: *Ahmad bin Hanbal, Ahmad Shakir, Anonymous, Narrators, Hadith, commentary, Al-Musnad.*

کلیدی الفاظ: احمد بن حنبل، احمد شاکر، مجہول، روات، حدیث، شرح، المسند

تعارف

علامہ احمد شاکرؒ ایک نابغہ روزگار شخصیت ہیں جنہوں امام احمد بن حنبلؒ کی صرف المسند پر تحقیق کی ہے اور احادیث پر صحت و ضعف کا حکم بھی لگایا ہے۔ آپ کی اس گراں قدر تحقیق و تعلیق کی محققین اور نقاد کے یہاں بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اس میں انھوں نے جہاں ہر قسم کے راوی پر کلام کی ہے وہیں مجہول روات پر بھی بہترین تحقیقات پیش کیں ہیں اور خوب داد وصول کی ہے۔ زیرِ نظر مضمون میں مجہول روات اور ان کی مرویات کا حکم واضح کرتے ہوئے امام احمد بن حنبلؒ اور علامہ احمد شاکرؒ کے مناہج کا تحقیقی و تقابلی مطالعہ امثلہ سے کیا گیا ہے تاہم اس حوالے سے ان کی آراء پر تبصرہ اور ان کے منہج کو بیان کرنے سے قبل ضروری ہے کہ مجہول روات سے متعلقہ ضروری مباحث اور ان کے اصولی موقف کو بیان کیا جائے۔

* اسسٹنٹ پروفیسر پوسٹ گریجویٹ کالج سمن آباد، فیصل آباد

** اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاولنگر کیمپس اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

تاکہ دورانِ تجزیہ امام احمد بن حنبلؒ اوراحمد شاکر کے منہج واسلوب نیز اصولی مواقف کی خصوصیات وامتیازات واضح ہو جائیں۔احمد شاکرؒ کی مسند احمد پر تخریج اور تعلیق اصلاً دو خاص امور پر مشتمل ہے۔اس میں پہلا امر حدیث کا مجموعی حکم کہ یہ حدیث آیا صحیح ہے یا ضعیف، اگر ضعیف ہے تو پھر اس کی وجہ ضعیف بیان کرنے کے بعد وہ اس کی تفصیل بیان کرتے ہیں جس میں متقدم محدثین کی کلام سے استفادہ کرتے ہیں۔

مسند احمد پر ان کی یہ کلام قدرے محدود ہے جو بالعموم رواۃ کے احوال وتراجم پر ہی منحصر ہے۔اس میں متن سے متعلقہ امور کی وضاحت ضروری مقامات پر کی گئی ہے۔

البتہ بعض مقامات پر کسی ضروری نکتہ کو بیان کر دیتے ہیں۔اس میں احمد شاکرؒ بسا اوقات اصولی نوعیت کی کلام کرتے ہوئے کسی خاص مسئلہ میں ترجیحی موقف کو بھی ذکر کرتے ہیں۔تاہم یہ سب امور ان کی تخریج اور تحقیق کے منہج و اسلوب سے متعلقہ ہیں۔

مجاہیل کے بارے میں خاص ان کا موقف بعض کتب کی تعلیقات اور شرح الفیہ السیوطی میں موجود ہے۔ذیل میں اسے نقل کیا جاتا ہے بعد ازاں مسند احمد میں مجاہیل کی مرویات پر ان کا کلام اور نقد کا تجزیہ مع امثلہ پیش کیا جائے گا۔

ثقہ روای کی مجہول سے روایت:

امام احمد بن حنبلؒ کا اس ضمن میں موقف اور منہج یہ ہے ثقہ راوی کی مجہول سے روایت اس شرط پر قبول کرتے ہیں کہ وہ راوی خود اہلِ علم اور اہل جرح و تعدیل میں سے ہو ، نیز مجہول راوی کسی اور وصف میں مشہور ہو البتہ جمہور اس سے قدرے مختلف ہیں۔احمد شاکرؒ نے اس ضمن میں جمہور کے موقف کو ترجیحی بنیادوں پر اختیار کیا ہے۔ان کے نزدیک جب کوئی ثقہ راوی کسی مجہول سے بیان کرے تو یہ اس کی توثیق نہیں۔وہ فرماتے ہیں :

''راوية الثقة عن شخص لا يعرف حاله لا يكون توثيقاً له ولوكان الراوى معروفاً بانه لا يروى الا عن ثقة كمالک وشعبة و يحيى القطان''[1]

''کسی ثقہ راوی کا ایسے شخص سے بیان کرتا جس کی حالت معروف نہیں، اس کی توثیق ہر گز نہیں شمار ہو گی۔اگرچہ وہ راوی اس امر میں معروف ہی کیوں نہ ہو کہ وہ محض ثقہ سے بیان کرتا ہے جیسے امام مالک، شعبہ اور یحییٰ بن سعید القطان وغیرہم ہیں۔''

یہ عبارت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ ان کے نزدیک امام احمدؒ کی مانند شرائط اس راوی کی روایت کو قبولیت کا درجہ نہیں دیتیں۔اس میں احمد شاکرؒ کا موقف جمہور کے موافق ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ راوی کی عدالت وضبط کو علماء ومحدثین کی واضح تصریحات سے ثابت کرتے ہیں، کوئی خارجی قرینہ یا شرط ان کے نزدیک معنی نہیں رکھتی۔

اس ضمن میں دوسرا اہم مسئلہ کی جب کوئی ثقہ کسی مبہم سے بیان کرے یعنی اس کا نام نہ لے تاہم اس کی توثیقِ ضمنی کرے اس کی روایت مقبول ہو گی؟ بالفاظ دیگر کیا اس مجہول سے جہالت رفع ہو کر اسے درجہ شہرت میں لے آئے گی نیز اس کی یہ توثیق آئمہ کے نزدیک مقبول ہے یا نہیں؟اس حوالے سے وہ فرماتے ہیں :

''وإذا روىٰ الثقة عن مبهم لم يذكر اسمه بل قال 'حدثنى الثقة' أو'حدثنى من لا أتهم'فانه اولىٰ بعدم القبول إذ لا حجة فى المجهول،وكذلک اذا ما قال الثقة'و'كل شيخ أروى عنهم هو ثقة 'ثم روى عن مبهم لم يذكر اسمه''[2]

''اور جب کوئی ثقہ راوی کسی مبہم سے بیان کرے جس کا نام مذکور نہ ہو، بلکہ کہے کہ ''مجھے یہ ثقہ نے حدیث بیان کی''یا'' مجھے اس نے حدیث بیان کی جس کو میں متہم قرار نہیں دیتا''تو راجح

اس توثیق کو قبول نہ کرنا ہے کیونکہ مجہول کے بارے میں اس قسم کی توثیق حجت قبول نہیں
۔اسی طرح جب کوئی راوی کہے کہ "ہر وہ شیخ جس میں روایت کرتا ہوں وہ ثقہ ہے" پھر وہ مبہم
سے روایت کرے جس کا نام مذکور نہ ہو تو یہ صحیح نہیں۔"

مذکورہ عبارت اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ احمد شاکرؒ جمہور کے موقف کے قائل ہیں کہ توثیقِ ضمنی بھی مقبول نہیں اور نہ ہی مجہول سے بیان کرنے والے کے قول برائے توثیق کی کوئی حیثیت ہے۔اس لیے کہ عین ممکن ہے مجہول اس کے نزدیک توثقہ ہو تاہم اس کے غیر کے نزدیک وہ متکلم فیہ یا مجروح ہو۔

جبکہ دوسرا ضابطہ جو اس عبارت سے مترشح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کسی راوی کا کہنا کہ میں جس سے بھی روایت لوں گا وہ ثقہ ہی ہوگا، یہ بھی محدثین کے ہاں مردود ہے۔اس لیے کہ عین ممکن ہے یہ اس کا زعم ہو کہ وہ ثقہ سے ہی روات لیتاہے حالانکہ وہ جمہور کے نزدیک غیر معتبر اور نا قابل حجت ہو۔چنانچہ احمد شاکرؒ کے ان رجحانات کا واضح مطلب یہی ہے کہ وہ جمہور کو راجح قرار دیتے ہیں، نیز اس کا عملی مشاہدہ مسند احمد کی تخریج میں بھی کیا جا سکتا ہے جس کو ہم کچھ سطور بعد بیان کریں گے۔البتہ اس میں ایک استثنا اصولی طور پر احمد شاکرؒ نے نقل کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

"وذهب بعضهم إلى قبول ذلك في حق من قلّد هذا الشيخ ،كأتباع مالك
أذا روى عن شخص مبهم وسماه بانه ثقة ،وكأتباع الشافعي كذلک"

"بعض حضرات جو کسی خاص امام کے مقلد ہیں اس قسم کے روای سے توثیق کو قبول کرتے ہیں
جیسے امام مالک کے اصحاب ہیں جبکہ کچھ دیگر ان روات ،آئمہ کی کلام کو قبول کرتے ہیں جو مبہم
سے بیان کریں تاہم یہ بتادیں کہ وہ ثقہ ہے جسے امام شافعی کے اصحاب ہیں۔"

گویا کہ آئمہ کے اصحاب ان کی جلالتِ علمی اور اس فن میں مہارت کے پیشِ نظر اس قسم کے مجاہیل کی مرویات کو قبول کر لیتے ہیں۔اس ظنِ غالب کی بنیاد پر کہ ان کے آئمہ سے اس امر کا صدور محال ہے کہ وہ کس مجہول اور نا قابل حجت راوی سے بیان کریں۔بلکہ یہاں یہ قرینہ بھی موجود ہے کہ اس کی روایت کو قبول کر لیا جائے اس طرح کہ امام موصوف اس کی توثیقِ ضمنی کر رہے ہیں جو اس کی روایت کی قبولیت کا تقاضا کرتی ہے۔اس صورت کو ذکر کرنے کے بعد احمد شاکرؒ فرماتے ہیں:

"والصحيح أن الرواية عن المبهم غير مقبولة مطلقا كما هو واضح"

"صحیح یہی ہے کہ مبہم سے روایت مطلّقا غیر مقبول ہے جیساکہ اصولی طور پر یہ واضح ہے۔"

اس کا مطلب ہے کہ مذکورہ بالا استثناء محض چند آئمہ کے مقلدین واصحاب کے ہاں معروف ہے۔علامہ احمد شاکر نے اس کو مرجوح اور غیر معتبر قرار دیا ہے۔اس لیے کہ اس میں معروف احتمال باقی ہے کہ مبہم یا مجہول ان کے نزدیک توثقہ ہو لیکن دیگر آئمہ اس پر جرح کرتے ہوئے اسے ضعیف قرار دیتے ہوں۔[3]

احمد شاکرؒ نے اپنے اس موقف کو الباعث الحثیث میں بھی ذکر کیا ہے اور اس کو فیصلہ کن الفاظ کے طور پر ذکر کیا ہے۔وہ فرماتے ہیں:

"أما اذا قال 'حدثني الثقة' فقط فانه من باب الراوى المبهم" [4]

"جب راوی کہے کہ "مجھے ثقہ نے حدیث بیان کی تو یہ مبہم راوی کے قبیل سے ہے۔"

امام احمد بن حنبلؒ کے برعکس احمد شاکر کا موقف جمہور محدثین اور اصولیوں کے موافق ہے اور نقد رجال میں انھوں نے اسی کو پیشِ نظر رکھا ہے جیسا کہ اس پر تفصیلی کلام آنا چاہتی ہے۔

مجہول العین کی روایت اور احمد شاکرؒ کا موقف:

مجہول العین کی روایت کے بارے میں احمد شاکرؒ اور امام احمد کا موقف یکساں ہے بلکہ اس کی روایت کے حکم میں بھی دونوں حضرات سے یکساں مذہب منقول ہے۔ چنانچہ احمد شاکرؒ اس روایت سے متعلق لکھتے ہیں۔

''اختلفوا فی مجھول العین :ھل تقبل روایته ؟وھو الذی لم یروعنه الا شخص واحد ،لأن أقل ما یرفع الجھالة روایة اثنین مشھورین عن الراوی''[5]

''اصولیوں کا مجہول العین مین اختلاف ہے کہ کیا اس کی روایت قبول کی جائے گی یا نہیں؟ مجہول العین سے مراد وہ راوی ہے جس سے محض ایک شخص نے روایت کیا ہو۔ جبکہ جہالت کے رفع ہونے کے لیے سب سے کم درجہ یہ ہے کہ اس راوی سے دو مشہور روات بیان کریں۔''

اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ مجہول العین راوی کی روایت احمد شاکر کے نزدیک مقبول نہیں کیونکہ ان کی عبارت'' اقل مایرفع الجھالۃ روایۃ اثنین مشھورین''کا تقاضا یہ ہے کہ قبولیتِ روایت کے لیے کم از کم دو مشاہیر ضروری ہیں جبکہ یہاں صرف ایک ہوتا ہے۔آگے چل کر لکھتے ہیں:

''واختلفو ا أیضا فی روایة مجھو ل العدالة ظاھراً و باطناً مع کونه معروف العین بروایة عدلین عنه: فقبلھا بعضھم مطلقا و قبلھا بعضھم إذا رویٰ عنه من لا یروی الّا عن ثقة''[6]

''اصولیوں کا مجہول العدالت کی روایت میں بھی اختلاف ہے،خواہ وہ ظاہری طور پر غیر معروف ہو یا باطنی طور پر ،جبکہ وہ معروف العین ہو جس سے دو عادل بیان کرنے والے ہوں۔ بعض اصولیوں نے اس کو مطلّقا قبول کیا ہے اور بعض نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا ہے اس سے روایت کرنے والا ایسا ہو جو محض ثقہ سے بیان کرتا ہے۔''

علامہ احمد شاکرؒ کے نزدیک اس قسم کا راوی عدالت کے واقعی ظہور اور قبولیت تک متوقف ہی قرار پاتا ہے تآنکہ اس کی عدالت ثابت ہو جائے جو اس کی قبولیت کا عندیہ دے۔ چنانچہ اس کی روایت کا حتمی حکم بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''والصحیح عدم قبولھا وھو قول الجمھور''[7]

''صحیح موقف یہ ہے کہ اس کی روایت مقبول نہیں،جو کہ جمہور کا قول ہے۔''

مجہول العین کی جب تک عدالت ثابت نہ ہو گی روایت مقبول نہیں ہو گی ،اگرچہ اس سے دو یا زائد مشاہیر محدثین ہی بیان نہ کریں۔ یہ ضابطہ جمہور کا ہے جس کو احمد شاکرؒ نے ترجیح دیتے ہوئے اختیا کیا ہے۔

مستور کی روایت اور احمد شاکر کا موقف:

مستور کے حوالے سے جمہور محدثین اور اصولیوں کا موقف انتہائی معتدل مگر مدلّل و مبرھن ہے۔ چنانچہ اس کی بہترین توضیح امام الحرمین الجوینیؒ نے کی ہے،وہ فرماتے ہیں:

''في رواية المستور الذي لم يظهر منه نقيض العدالة و لم يتفق البحث الباطن عن عدالته تردد المحدثون [في روايته] والذي صار إليه المعتبرون من الأصوليين أنه لا تقبل روايته وهو المقطوع به عندنا''

''مستور کی روایت، جس میں عدالت زائل کرنے والاامر ظاہر نہ ہواوراس کی باطنی عدالت پر بھی بحث و تمحیص کسی نکتہ پر متفقہ نہ ہو، تو محدثین اس کے حکم کے بارے متردد ہیں۔ معتبر اصولی حضرات کا رجحان یہی ہے کہ اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی اور یہ ہمارے نزدیک قطعی فیصلہ ہے۔''[8]

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے اس پر کلام کرتے ہوئے اس کو راجح قرار دیا ہے اور اس کو جمہور کا مذہب قرار دیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''والتحقيق ان رواية المستور و نحوه مما فيه من الاحتمال لا يطلق القول ردها ولا بقبولها بل يقال هي مو قوفة إ لى استبانة حاله كما جزم به إمام الحرمين''[9]

''حقیقت یہ ہے کہ مستور جیسے راوی کی روایت جس میں احتمال ہوتا ہے مطلق طور پر نہ تو رد کی جا سکتی ہے اور نہ ہی قبول، بلکہ یہ کہنا بہتر ہے کہ وہ اس کی حالت کی وضاحت پر موقوف رہے گی جیسا کہ امام الحرمین نے اس پر جزم اختیار کیا ہے۔''

علامہ احمد شاکرؒ اس حوالے سے مجہول الحال یعنی ستور کی روایت کو مجہور کے برخلاف قبول کرنے قائل نظر آتے ہیں، اس کی

وضاحت کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''وأما المستور وهو العدل فی ظاهر حاله ،لكنه مجهول العدالة باطناً فالأصح قبول روايته لأن الإخبار مبنى على حسن الظن بالراوى''[10]

''جہاں تک مستور کا تعلق ہے تو وہ ظاہری حالت سے تو عادل [معلوم ہوتا] ہے لیکن باطنی عدالت مجہول ہے۔ پس صحیح ترین بات یہ کہ اس کی روایت مقبول ہو گی کیونکہ بالعموم إخبا رراوی پر حسنِ ظن کی بنیاد پر مبنی ہوتی ہے۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ احمد شاکرؒ کے نزدیک مجہول یا مستور کی ظاہری عدالت ہی قبولِ روایت میں کافی ہے۔ باطنی عدالت اگر معلوم نہ ہو تو ظاہری عدالت فیصلہ کرتی ہے کہ مستور کی مرویات کو قبول کر لیا جائے۔

یہاں یہ بات ذکر کرنا ضروری ہے کہ قرائن بھی اس موقف کی تائید کرتے ہیں۔ ان میں خاص طور پر یہ قرینہ اہم ہے کہ اصلاً تمام رواۃ میں عدالت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جرح کے ثبوت تک سب کی مرویات مقبول ہی۔ چنانچہ جب کسی ایسے راوی کی روایت سامنے آئے جس کو کسی نے مجروح قرار نہ دیا ہو تو اس اصل کی بنیاد پر اس کی روایت کو قبول کر لینا ہی بہتر ہے۔ تاہم جمہور اس کی توثیق کو لازمی قرار دیتے ہیں خواہ وہ ایک امامِ عادل اور اہلِ علم و ماہر فن سے ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر اس کے الٹ کسی ایک سے جرح ثابت ہو جائے تو اس کی تفسیر تلاش کرنا ضروری ہے کیونکہ کسی کی عدالت بناسبب مجروح کرنا شرعاً اور اصولاً ہر دو اعتبار سے ممنوع ہے۔

مجہول الحال کے حوالے سے معاملہ یہی ہے کہ اصلاً اس کی عدالتِ ظاہری کو بنیاد بنا کر اس سے روایت لی جاتی ہے، جبکہ عدالتِ باطنی اس کی معلوم نہ ہو تو کسی طور پر اس کے حق میں جرح یا قدح نہیں۔ بلکہ اگر جرح ملے جو اس کی عدالت کو زائل کرے تو اس کی تفصیلات طلب کی جائیں گی۔

احمد شاکرؒ کا موقف ظاہری طور پر اس کی علت کے پیشِ نظر معلوم ہوتا ہے، جبکہ جمہور کے اصول و ضوابط وجودِ احتمال کے پیشِ نظر اس کی روایت سے توقف اختیار کرنا جو احمد شاکر جیسا ہے، باعث ردو جرح ہر گز نہیں، البتہ راجح و مرجوح کی نوعیت کا حامل ہے۔

اس کی مزید تفصیل مستور کی مرویات پر آنے والے تبصرہ اور احمد شاکر کی کلام سے بیان ہو گی۔ نیز معلوم ہوگا کہ احمد شاکر نے اس حوالے سے جو رائے پیش کی ہے وہ اس کو محض نظریاتی حد تک رکھتے ہیں یا جمہور کی مخالفت کرتے ہوئے انھوں نے اس قبیل کے رواۃ کی مرویات کو قبول بھی کیا ہے اور ان کی جہالت کو مضر نہیں سمجھا؟

مثال اول- مجہول الحال کی روایت اور احمد شاکر کا تجزیہ:

امام احمد بن حنبلؒ نے مسند میں درج ذیل روایت نقل کی ہے:

''حدثنا أبو سعيد، يعني مولى بني هاشم، حدثنا عكرمة بن إبراهيم الباهلي حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن بن أبي ذباب عن أبيه: أن عثمان بن عفان صلى بمنى أربع ركعات، فأنكره الناس عليه، فقال: يا أيها الناس" إني تأهلت بمكة منذ قدمت، وإني سمعت رسول الله - صلى الله عليه وسلم - قول: "من تأهل في بلد فليصلّ صلاة المقيم''[11]

مذکورہ بالا حدیث پر کلام کرتے ہوئے علامہ احمد شاکرؒ فرماتے ہیں:

''في إسناده بحث، والظاهر عندي أن إسناده ضعيف، عبد الله بن عبد الرحمن بن أبي ذباب: ثقة، له ترجمة في التهذيب 5/ 292 والتعجيل 221، وأبوه عبد الرحمن: ذكره ابن حبان في الثقات، وإنما موضع النظر هو عكرمة بن إبراهيم الباهلي: ترجم له في التعجيل 290 فنقل عن الحسيني أنه "ليس بالمشهور" -----------------وسيأتي هذا الإسناد مكرراً، مع الإشارة إلى هذا المتن 559.''

''اس کی سند میں بحث ہے، ظاہری طور پر میرے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔ عبداللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی ذباب ثقہ ہے۔ اس کا ترجمہ تہذیب التہذیب (۵/ ۲۹۲) اور تعجیل المنفعۃ (۲۲۱) میں موجود ہے۔ اس کا باپ عبدالرحمٰن ہے جس کو ابن حبان نے ''الثقات میں ذکر کیا ہے۔ اس سند میں محلِ نظر ''عکرمہ بن ابراہیم الباھلی'' ہے۔ حافظ ابن حجر نے تعجیل المنفعۃ (۲۹۰) میں اس کا ترجمہ ذکر کیا ہے اور امام حسینی سے نقل کیا ہے کہ ''یہ مشہور نہیں ہے'' اور اس کے شیخ کے بیٹے سے نقل کیا ہے کہ ''میں اس کے حال کو نہیں جانتا'' یہ کلام بہترین اور صحیح و مدلّل ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر نے اس پر تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''وہ مشہور ہے اور اس کی حالت معروف ہے''۔ پھر انھوں نے طویل کلام کی ہے بالخصوص ''عکرمہ بن ابرھیم الأزدی' پر۔ ابن معین، عقیلی اور امام نسائی وغیرہم نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اس کے بعد ابن حجر نے لکھا ہے کہ محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ وہ ازدی ہے دیکھنا اس شخص کو ہے جس

نے اسے باھلی بنایا ہے۔ میرے خیال میں حافظ ابن حجر کو یہ وہم ہوا ہے جس میں ابن القیم نے بھی ان کی پیروی کی اور زاد المعاد میں اس حدیث کو ذکر کر کے لکھا: عکرمہ بن ابراہیم ازدی نے یہ حدیث ابو ذباب عن ابیہ سے بیان کی ہے جو کہ واضح خطا ہے جیسا کہ معلوم ہے۔ یہ کیسے ممکن ہو گیا کہ ازدی ہی باھلی ہے جیسا کہ انھوں نے اس کے ترجمہ میں لکھا ہے حالانکہ ازدی معروف ہے۔ بخاری نے التاریخ الکبیر (۴۰/ ۱/ ۵۰) میں اس کا ترجمہ نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ "عکرمہ بن ابراہیم الازدی الموصلی" محدثین کے گمان کے مطابق رے کا قاضی تھا۔ اور خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد (۱۲/ ۲۶۲) میں اس کا ترجمہ نقل کیا ہے لیکن اس بات کی طرف اشارہ نہیں کیا کہ وہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابو ذباب سے بیان کرتے ہیں اور نہ ہی یہ ذکر کیا ہے کہ اس سے ابو سعید مولی بنو ہاشم روایت کی ہے۔ اس لیے میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ باہلی جو اس سند میں ہے وہ ازدی کے علاوہ کوئی اور ہے اور یہ "مجہول الحال" ہے۔ اس کی حدیث سے توقف کیا جائے گا یہاں تک کہ اس کی حالت واضح ہو جائے۔ حافظ ابن القیم نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا وہ امام عبداللہ بن زبیر الحمیدی نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔ جبکہ حافظ ابن نے حجر فتح الباری (۲/ ۴۰۷) میں اشارہ کیا ہے کہ امام بیہقی نے اس کو روایت کیا ہے جبکہ مجھے یہ "السنن الکبریٰ" میں نہیں مل سکی۔ حافظ ابن القیم نے اس پر مزید کلام کرتے ہوئے کہا ہے: امام بیہقی نے اس حدیث کو انقطاع اور عکرمہ بن ابراہیم کے ضعف کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے۔ امام ابو البرکات بن تیمیہؒ فرماتے ہیں: ضعف کے اس سبب (کی تفصیل) کا مطالبہ کرنا ممکن ہے کیونکہ اس کو امام بخاری نے ذکر کیا ہے لیکن کسی قسم کا طعن نہیں کیا حالانکہ ان کی عبارت ہے کہ وہ جرح و مجروحین کو ذکر کرتے ہیں۔ یہ ساری کلام محض اس امر پر مبنی ہے کہ عکرمہ ازدی ہی ہے جس کا ترجمہ بخاری نے نقل کیا ہے وگرنہ ہمارے لیے اس کو ثابت کرنے کا کوئی اور طریقہ کہاں ہے؟ نیز اس کی تفصیل نیل الاوطار (۳/ ۵۹-۳۔۲۶۰) میں دیکھیں یہ حدیث تکرار کے ساتھ، جبکہ اسی متن کا اشارہ بھی ہے، ۵۵۹ نمبر پر آئے گی۔"

تکرار پر تجزیہ:

مسند احمد کی اس روایت کے تکرار سے آنے پر احمد شاکر کی کلام درج ذیل ہے:

"في إسناده نظر، سبق الكلام عليه 443 واستظهرنا أنه ضعيف، و لم يسق هنا لفظ الحديث، وأحال إلى الموضع السابق"[12]

"اس کی سند میں کلام ہے جو کہ حدیث نمبر ۴۴۳ میں گزر چکی ہے، ہمارے رجحان کے مطابق یہ ضعیف ہے اگرچہ امام احمد نے یہاں الفاظِ حدیث ذکر نہیں کیے اور گذشتہ مقام کی طرف رجوع کی نشان دہی کر دی ہے۔"

احمد شاکرؒ کی کلام کا خلاصہ:

علامہ احمد شاکرؒ کی کلام کا خلاصہ درج ذیل نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے؛

(۱)۔ بعض محدثین نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابو ذباب "پر کلام کیا ہے لیکن راجح یہی ہے کہ وہ ثقہ ہے جس کی تائید مذکورہ بالا محدثین کے کلام سے ہوتی ہے۔

(۲)۔دوسرا راوی ''عکرمہ بن ابراہیم'' کی نسبت میں اختلاف ہے جس کے سبب اس کی جہالت و معرفت میں فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ جن حضرات نے اس کو ازدی قرار دیا ان کے نزدیک یہ معروف اور ثقہ ہے جبکہ ''باہلی'' قرار دینے والوں کے نزدیک یہ مجہول الحال ہے۔

(۳)۔حافظ ابن حجر کی کلام سے مترشح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ ثقہ ہے اس لیے کہ وہ اس کو ازدی قرار دیتے ہیں۔ جبکہ ابن القیم نے اس کی تردید کی ہے اور اعتراض کیا ہے کہ ازدی کو باہلی قرار دینا صحیح نہیں کیونکہ ایک معروف اور دوسرا مجہول

الحال ہے۔

(۴)۔عکرمہ کی روایت کا دیگر کتب میں ہونا اس کے حق میں بہتر نہیں ثابت ہو کیونکہ جنھوں نے نقل کیا وہ بھی اس کو حتمی طور پر متعین نہیں کر سکے۔

(۵)۔امام بخاریؒ نے ''التاریخ الکبیر'' میں اس کو ازدی قرار دیا ہے جو کہ معروف ہے۔ جبکہ اس کو مد نظر رکھ کر جنھوں نے روایت کو صحیح کہا، احمد شاکر کے نزدیک وہ قابلِ اعتبار نہیں کیونکہ یہ دونوں الگ الگ راوی ہیں۔ نیز خطیب بغدادی نے عکرمہ کے اساتذہ و شیوخ میں مذکورہ سند والے شیوخ ذکر نہیں کیے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ یہ ازدی نہیں بلکہ باہلی ہی ہے جو کہ مجہول الحال ہے۔ جبکہ ازدی معروف ہے اور اسکی توثیق بھی علماء سے منقول ہے۔

(٦)۔جن علماء و محدثین بالخصوص امام بیہقی، نسائی اور عقیلی وغیرہم نے اس کو ضعف شمار کیا ہے یقیناً ان کے سامنے یہ امر مخفی رہا ہے یا پھر ان کو کسی طور پر بھی اس کی توثیق نہیں مل سکی۔

علامہ شعیب ارناؤوطؒ / معاصرین کا تجزیہ:

علامہ احمد شاکرؒ کے معاصرین نے اس پر جو تجزیہ کیا اور حکم لگایا ہے اس کو پیشِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ متقدمین کی آراء کا جو معنی و مفہوم یا خلاصہ انھوں نے ذکر کیا ہے اس سے احمد شاکرؒ کے موقف کو تائید حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ مسند احمد کی ''موسسۃالرسالۃ'' والی تخریج میں لکھا ہے:

''إسناده ضعيف، عكرمة بن إبراهيم الباهلي، قال الحسيني: ليس بالمشهور، وقال أبو زرعة العراقي: لا أعرف حاله، وعبد الرحمن بن أبي ذباب لم يعرف.وأخرجه الحميدي (36) عن أبي سعيد مولى بني هاشم، بهذا الإسناد. وسيتكرر برقم (559)''

''اس کی سند ضعیف ہے، عکرمہ بن ابراہیم الباہلی، حسینی نے کہا کہ وہ مشہور نہیں۔امام ابوزرعہ عراقی نے کہا کہ میں اس کی حالت کو نہیں جانتا، نیز عبدالرحمٰن بن ابو ذباب بھی معروف نہیں ۔امام حمیدی نے اس حدیث کو ابو سعید مولی بنو ہاشم کے طریق سے نقل کیا ہے، یہ روایت ۵۵۹ غیر پر مکرر ہے۔''[13]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عکرمہ کو مجہول قرار دینا ہی صحیح ہے۔ جبکہ مذکورہ عبارت کے تناظر ہیں عبدالرحمٰن بن ابو ذباب کو غیر معروف کہنا محلِ نظر ہے کیونکہ اس کی توثیق ابن حجر سے منقول ہے جیسا کہ احمد شاکرؒ کی کلام میں گزر چکا ہے۔

گزشتہ آراء کا تجزیہ:

مندرجہ بالا تمام آراء کا تجزیہ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ احمد شاکر نے متقدمین کی کلام کو پیشِ نظر نہیں رکھا بلکہ ان کے نزدیک عکرمہ بن ابراہیم اصلًا باھلی ہے ازدی نہیں، اس کی وجوہات درج ذیل ہیں؛

(۱)۔خطیب بغدادی نے عکرمہ کے ترجمہ میں اس سند والے اساتذہ و تلامذہ ذکر کیے ہیں، جس کا واضح مطلب یہی ہے کہ وہ مجہول الحال ہے۔ نیز اگر اس کو ازدی قرار دیا جائے تو وہ ثقہ ہے اور اس سے روایت کرنے والے اس سند کے رواۃ ہر گز نہیں۔ جبکہ خطیب بغدادی کے مقابلہ میں امام بخاری نے جو کلام کی ہے وہ ساری عکرمہ بن ابراہیم الازدی کے حق میں ثابت ہوتی ہے کہ مشہور اور ثقہ ہے۔

(۲)۔عکرمہ بن ابراہیم الباہلی سے روایت کرنے والے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں اور ان سے بھی اس کی توثیق منقول نہیں، نیز اکثر محدثین نے اس کو غیر معروف قرار دیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اصلًا باھلی اور مجہول الحال ہے۔

(۳)۔اس بناء پر احمد شاکر کا یہ تجزیہ کرتے ہوئے روایت کو سنداً ضعیف کہنا قابل تسلیم ہے۔اس کی تائید ان کے معاصر محققین کے کلام سے بھی ہوتی ہے جو کہ اس کو عکرمہ کی جہالت کے پیشِ نظر ضعیف شمار کرتے ہیں۔

المختصر، احمد شاکر کا مجہول الحال کی روایت کو اپنے اصول کے مطابق قبول نہ کرنا اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ راوی غیر موثق اور غیر معروف بالعلم والروایہ ہے کیونکہ اس سے محض ایک ہی راوی نے حدیث بیان کی ہے جو توثیق یا تعدیل کے لیے بہر حال ناکافی ہے۔

مثال دوم-مجہول العین کی روایت اور احمد شاکر کا تجزیہ:

امام احمد بن حنبلؒ نے مسند میں "اِسود بن عامر عن بقیۃ بن الولید" کے طریق سے درج ذیل حدیث بیان کی ہے :

"حدثنا أسود بن عامر حدثنا بَقِيّة بن الوليد الحِمْصِي عن عثمان بن زُفَر عن هاشم عن ابن عمر قال: "من اشترى ثوباً بعشرة دراهم وفيه درهمٌ حرام لم يقبل الله له صلاةً ما دام عليه"، قال: ثم أدخل أصبعيه في أذنيه ثم قال: صمَّتا إن لم يكن النبي -صلي الله عليه وسلم - سمعته يقوله"[14]

علامہ احمد شاکرؒ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، چنانچہ وہ اس پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"إسناده ضعيف، بقية بن الوليد: سبق توثيقه 887 وأنه يدلس، وهو هنا لم يصرح بالسماع من
شيخه. عثمان بن زفر الجهني الشامي: ثقة، ذكره ابن حبان في الثقات، -------------وأيا مّا كان فإنه شخص مجهول العين والحال"

"اس کی سند ضعیف ہے، بوجہ بقیہ بن ولید۔اس کی توثیق گزر چکی ہے تاہم یہ تدلیس کرتے ہیں ،اور یہاں اس کے شیخ سے سماع کی صراحت نہیں ہے۔عثمان بن زفر الجھنی الشامی ثقہ ہے۔ابن حبان نے اس کو "الثقات "میں ذکر کیا ہے اور ابو حاتم نے بھی "الجرح والتعدیل (۳/ ۱۵۰)میں اس کا ترجمہ ذکر کیا ہے لیکن اس کے بارے میں کوئی جرح نہیں کی۔ابن حجر نے التھذیب میں نقل کیا ہے کہ اس سے بقیہ نے ۱۲۸ھ میں سنا ہے۔ھاشم :ابن حجر نے "تعجیل المنفعۃ(۴۲۸) میں حسینی سے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا: میں اسے نہیں جانتا۔پھر اس کے بعد

ابن حجر نے اس کی مذکورہ روایت نقل کی ہے۔نیز اسی طرح ہیثمی نے مجمع الزوائد (۱۰/ ۲۹۲) میں یہ روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اس کو امام احمد نے ھاشم عن ابن عمر کے طریق سے نقل کیا ہے، اور ھاشم کو میں نہیں جانتا۔ البتہ بقیہ تمام رجال کی توثیق کی گئی ہے الّا یہ کہ بقیہ بن ولید مدلّس راوی ہے۔علامہ سیوطی نے اس کو الجامع الصغیر (۸۴۴۴) میں ذکر کیا ہے اور علامہ مناوی [شارح الجامع الصغیر] نے لکھا ہے کہ امام ذہبی کہتے ہیں کہ معلوم نہیں ھاشم کون ہے؟حافظ عراقی نے اس کی سند کو ضعیف جداً قرار دیا ہے۔امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث خاص نہیں،اور ساتھ ہی ہیثمی کا کلام نقل کر دیا اور آگے ذکر کیا کہ امام ابن عبدالھادی نے کہا کہ اس کو امام احمد نے مسند میں نقل کیا ہے جبکہ ''العلل''میں اسے ضعیف قرار دیا ہے ۔میں نے اس حدیث کو تاریخ بغداد از خطیب بغدادی (۱۴/ ۲۱) میں تین اسانید سے دیکھا۔ان تمام کا مدار بقیہ بن ولید پر ہے۔پہلی ''بقیہ بن الولید عن سلمۃ الجھنی حدثنی ھاشم الأوقص قال سمعت ابن عمر''دوسری''بقیہ بن الولید حدثنا یزید بن عبداللہ الجھنی عن إبی جعونۃ عن ھاشم الأوقص قال سمعت ابن عمر''تیسری''بقیہ بن الولید عن جعونۃ عن ھاشم الاوقص عن نافع عن ابن عمر''ہے۔یہ تمام اسانید بالکل غیر معروف،اندھیرے کی مانند ہیں،جن میں ایک راوی [ہاشم] ایسا ہے کہ جس کا ترجمہ نہیں مل سکا۔اگر تو ھاشم الاوقص ہی ہے تو وہ ضعیف ہے جس کا ترجمہ لسان المیزان (۶/ ۱۸۳) میں موجود ہے۔ھاشم بن الاوقص کے بارے میں امام بخاری کہتے ہیں کہ وہ ثقہ نہیں، جبکہ یہ قول ابن عدی کی کتاب میں ہے (انتھی کلام اللسان) علامہ جوز جانی فرماتے ہیں یہ ثقہ نہیں تھا۔حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ امام بخاری کا کلام جو کہ اصلا امام دولابی سے نقل کردہ ہے پھر ابن عدی سے [یعنی دولابی نے ابن عدی سے اور ان سے امام بخاری نے نقل کیا ہے] (المختصر) حافظ ابن حجر نے امام بخاری کے قول کا مصدر بیان کرنے میں درستی کو پالیا کیونکہ امام بخاری نے اس شخص کا ترجمہ نہ تو تاریخِ کبیر و صغیر میں نقل کیا ہے اور نہ ہی الضعفاء میں، بہر حال یہ جو بھی ہے مجھول العین والحال ہے۔''

احمد شاکرؒ کی کلام کا خلاصہ:

علامہ احمد شاکرؒ کی درج ذیل بالا کلام کا خلاصہ ان نکات کی صورت میں سامنے آتا ہے؛

(۱)۔مذکورہ بالا روایت بوجوہ ضعیف ہے۔بقیہ بن ولید کی تدلیس،اگرچہ اس کی توثیق موجود ہے تاہم اس روایت میں سماع کی صراحت نہیں مل سکی۔

(۲)۔جن حضرات نے بقیہ کی روایت میں تدلیس کو مضر نہیں جانا تو ان کے نزدیک حدیث کے ضعف کی وجہ ھاشم [الاوقص] کی جہالت ہے۔اگرچہ متابعات موجود ہیں تاہم کسی ایک پر بھی انحصار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ سب کا مدار بقیہ بن ولید ہے جس کے سماع کی صراحت میسر نہیں۔

(۳)۔اگر بقیہ کے سماع کی صراحت مل بھی جائے تو بھی یہ حدیث ھاشم کی جہالت کی وجہ سے صحیح نہیں بلکہ غیر مقبول ہے کیونکہ ھاشم کی تعیین کسی طور پر نہیں ہو سکی۔

(۴)۔امام بخاریؒ اور جوز جانی و دیگر آئمہ جرح و تعدیل کا اس کو غیر ثقہ قرار دینا بھی منقول ہے تاہم اس میں امکان ہے کہ کسی اور ھاشم کے بارے میں ہو۔لیکن اگر اس کے بارے میں ہے تو بلاخلاف یہ حدیث حجت نہیں کیونکہ جہالت کی بجائے علماء کی اس پر جرح معروف ہے جو اس کے عدم قبولیت کی دلیل ہے۔

(۵)۔احمد شاکرؒ نے اس حوالے سے جو خلاصہ دیا وہ یہ ہے کہ ھاشم الأوقص ہو یا ھاشم بن الاوقص دونوں صورتوں میں یہ مجہول ہے بلکہ مجہول العین اور مجہول الحال۔ اس لیے کہ جو کلام آئمہ سے منقول ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتاہے کہ یہ ان کے نزدیک مجہول ہے۔نیز وہ سب اس کی عدم توثیق پر متفق ہیں جس کا مطلب یہی ہے کہ کسی بھی راوی یاامام سے اس کے احوال معروف نہیں جو اس کی عدالت وضبط کی بابت کسی قسم کا فیصلہ دے سکیں۔

حدیث کو نقل کرنے والے دیگر آئمہ کے رجحانات بھی اس کی تائید کرتے ہیں جیساکہ ہیثمی کی کلام ہے یا پھر علامہ سیوطی کی الجامع الصغیر کی شرح میں علامہ مناوی کا اس بارے میں موقف ہے۔یہ سب ھاشم کی عدم توثیق بالفاظِ دیگر جہالت کی وجہ سے روایت کو ناقابلِ حجت سمجھتے ہیں،قرار دیتے ہیں۔

(۶)۔امام احمد بن حنبلؒ نے اس کو مسند میں نقل کیاہے اور ''العلل''میں اس کی تضعیف کی ہے۔تاہم العلل کے تمام نسخوں میں تلاش کے باوجود حوالہ نہیں مل سکا۔امکان ہے کہ یہ وہم ہو کیونکہ ہیثمی کے نقل کردہ الفاظ تو کجا مذکورہ روایت ہی''العلل''میں نہیں مل سکی۔واللہ اعلم بالصواب

معاصر محققین کا تجزیہ:

مذکورہ بالا روایت کے تناظر میں احمد شاکر کی کلام قدرے مختصر ہے جبکہ شعیب ارناؤوطؒ و دیگر محققین نے اس کی سند پر تفصیلی کلام کی ہے جس کو من وعن نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں (حاشیہ ملاحظہ ہو)[15] چنانچہ ان کا کلام کا خلاصہ ذیل میں نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے؛

(۱)۔معاصرین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔جس کی وجوہات میں پہلی بقیہ بن ولید کی تدلیس دوسری عثمان بن زفر الجھنی کا مجہول الحال ہونا، تیسری ھاشم کا مجہول العین ومجہول الحال ہونا شامل ہیں۔

(۲)۔انھوں نے بھی امام ابن عدیؒ،امام بیہقیؒ اور امام بخاریؒ کی کلام کو نقل کیا ہے اور اس کو بنیاد بنا کر حدیث پر حکم لگایا ہے چنانچہ اس حوالے سے ان کا کلام احمد شاکرؒ کے موافق ہے۔

(۳)۔بیان طرق واسانید میں خطیب بغدادی کی مذکورہ اسانید کے علاوہ بیہقی کی ایک سند کا اضافہ ہے۔جو بطریق سعید بن یزید بن عقبہ حدثنا البقیہ بن الولید حدثنی یزید بن عبداللہ الجھنی، عن ھاشم الاوقص عن ابن عمر مرفوعاً ہے اور شعب الایمان (۶۱۱۴) میں امام بیہقی نے نقل کی ہے۔

(۴)۔ابن حبان نے اس حدیث کو بطریق عبداللہ بن ایوب بن ابی علاج الموصلی عن مالک عن نافع عن ابن عمر

مرفوعاً نقل کیاہے (المیزان: ۲/ ۳۹۴) جبکہ علامہ زیلعی نے نصب الرایہ (۲/ ۳۲۵) میں ابوطالب سے نقل کیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمدؒ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے کہا یہ حدیث کسی درجے کی نہیں۔کیونکہ اس کی کوئی سند [مستقیم/درست] نہیں۔[16]

گزشتہ آراء کا تجزیہ وخلاصہ:

احمد شاکرؒ کی کلام کا خلاصہ اور دیگر معاصرین کی اس روایت کی سند پر جو تحقیق ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سند میں دو وجوہات پر کلام ہے۔پہلی بقیہ بن ولید کی تدلیس جس میں سماع کی صراحت میسّر نہیں اور دوسری وجہ ھاشم کی جہالت جو کسی طور پر رفع نہیں ہو سکی۔البتہ موسسہ الرسالہ کی تحقیق اور تعلیق میں جو عثمان بن زفر الجھنی پر کی گئی وہ محلِ

نظر ہے کیونکہ اس کی توثیق بلکہ اس کا معروف ہونا ثابت ہے۔اس پر جہالت کا حکم لگانا اس کی بنیاد کیا ہے یہ اس تعلیق میں ہرگز مذکور نہیں نیز اس پر یہ حکم سب سے پہلے کس محدث یا امام نے لگایا ہے یہ بھی نامعلوم ہے؟

چنانچہ یہ کہنا بے جا نہیں کہ احمد شاکرؒ کی کلام اس حوالے سے مدلل ہے اور انھوں نے رواۃ پر جو کلام کی ہے وہ جمہور محدثین اور کتبِ تراجم کے ہاں متداول اور ان کے موقف کے مشابہ ہے۔اس پر زیادتی کہ جس سے دیگر رواۃ کا ضعف سامنے آئے احمد شاکرؒ نے نہیں کی۔البتہ نقلِ اسانید و طرق میں جو منہج احمد شاکر کا ہے وہی معاصرین کا ہے۔امام احمد سے جو اس حدیث کے حوالے سے اقوال منقول ہیں ان میں احمد شاکر کی تعلیق میں نقل کردہ امام احمدؒ کی کتب میں نہیں مل سکا جبکہ دوسرا قول جو بطریق 'عبداللہ بن ایوب' امام ابن حبان نے نقل کیا ہے اس پر کلام امام احمد سے ابوطالب نے ذکر کی ہے جس کو زیلعی نے نقل کیا ہے۔

ہمارے رجحان کے مطابق احمد شاکرؒ نے جو حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے وہ ان مذکورہ دونوں وجہوں کی بناء پر ہے ۔اولا اس میں بقیہ بن ولید مدلس ہے، دوم اگر سماع کی صراحت مل بھی جائے تو پھر بھی ھاشم کی جہالت رفع نہیں ہوتی جس کا واضح مطلب ہے کہ ھاشم کی جہالت کی وجہ سے یہ حدیث ناقابل احتجاج شمار ہوتی ہے اور یہی بیہقی و مناوی وغیرہ کا رجحان ہے جو قرینِ قیاس ہے۔

تیسری مثال-صحابی کا مجہول ہونا اور احمد شاکر کا تجزیہ:

صحابی کا مجہول ہونا یعنی تابعی یہ کہے کہ مجھے یہ حدیث اصحابِ رسول میں سے کسی نے بیان کی ہے یا کسی طرح کا اور لفظ استعمال کرے جو دلالت کرے کہ صحابی مبہم ہے تو اس بارے میں احمد شاکرؒ کا موقف جمہور کے موافق ہے ۔دورانِ تخریج و تعلیق بھی اس کی نشاندہی ہوتی ہے۔چنانچہ ایک حدیث کی تعلیق میں اس کا ایک طریق نقل کرتے ہیں جس میں صحابی مجہول ہے اس پر تعلیق میں لکھتے ہیں:

''والظاهر أن الذي بلغ ذلك قبيصةَ صحابي، فيكون الحديث على شرط الصحيح لأن إبهام الصحابي لا يضر'' 17

''ظاہر بات یہی ہے کہ جس نے قبیصہ کو یہ روایت پہنچائی ہے وہ صحابی ہی ہے، جس سے حدیث صحیح کی شرط پر پورا اترتی ہے کیونکہ صحابی کا مبہم ہونا نقصان دہ نہیں ہے۔''

امام احمدؒ نے اس قسم کی کئی روایات نقل کی ہیں تاہم وہ مسند کے اس حصہ میں ہیں جن پر احمد شاکر نے کلام نہیں کی۔اس لیے کہ احمد شاکرؒ نے مسند کے ثلث پر تعلیق و تخریج کا کام کیا ہے۔بقیہ تمام کام ان کے منہج پر رہ کر دیگر متاخر محققین نے کیا ہے۔البتہ احمد شاکرؒ کا اس بارے میں اصول اور ضابطہ جمہور کے موافق ہے جیسا کہ مندرجہ بالا سطور میں ان کے قول کو نقل کیا گیا ہے اور اس سے وضاحت کی گئی ہے کہ ان کے نزدیک صحابی کی جہالت نقصان دہ نہیں۔

جہاں تک تابعی کے مجہول ہونے کا تعلق ہے تو اس حوالے سے احمد شاکر نے اس کا علم ہونے پر اس مسند کو بھی صحیح قرار دیا ہے جس میں وہ مذکور نہیں۔اس کی مثال حدیثِ ابن عباس'' ہے جو مسند احمد میں اس طرح ہے:

''حدثنا عفان حدثنا حماد بن سَلَمة عن داود بن أبي هند قال حدثني فلان عن ابن عباس: أن النبي صلى الله عليه وسلم : كان إذا مشَى مشَى مجْتَمِعاً، ليس فيه كَسَلٌ''18

چنانچہ علامہ احمد شاکرؒ اس پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''إسناده صحيح، على إبهام اسم التابعي فيه، فإنه عكرمة: والحديث في مجمع الزوائد 8: 281 وقال: "رواه أحمد والبزار، وزاد: لم يلتفت، يعرف في مشيه أنه غير كسل ولا وهن. ورجال أحمد رجال الصحيح، إلا أن التابعي غير مسمى، وقد سماه البزار، وهو عكرمة، وهو من رجال الصحيح أيضاً". مجتمعاً: أي شديد الحركة قوي الأعضاء غير مسترخ في المشي: قاله ابن الأثير''[19]

''اس حدیث کی سند تابعی کے ابہام کے باوجود صحیح ہے کیونکہ وہ عکرمہ ہے۔یہ حدیث مجمع الزوائد (۸/ ۲۸۱) میں ہے ،امام ہیثمی فرماتے ہیں :اس کو امام احمد اور بزار نے روایت کیا ہے،ہیثمی نے یہ الفاظ بھی زیادہ کیے ہیں :

لم يلتفت،يعرف فی مشيه أنه غير كسل ولا وهن''

مسند احمد کی سند کے رجال ، صحیح والے ہیں الّا یہ کہ تابعی کا نام مذکور نہیں جو کہ بزار نے ذکر کیا ہے کہ وہ عکرمہ ہےاور وہ صحیح کے رجال میں سے ہے۔''مجمتعا''کا مطلب ہے ؛شدید الحرکت ۔قوی الاعضاء جو چلنے میں جداجدانہ ہو، ۔جیساکہ ابن الاثیر [۱/ ۲۹۷] نے کہا ہے۔

احمد شاکر کی کلام کا خلاصہ:

مندرجہ بالا کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ مسند احمد میں اس روایت کی سند میں ''فلاں'' سے مراد''عکرمہ''تابعی ہے جس کو امام بزار نے ذکر کیا ہے ،اور اس پر اطلاع دی ہے۔چنانچہ احمد شاکر نے تجزیے کو محض متن کے معنی و مفہوم پر ہی محیط کر دیا۔جس کا واضح مطلب

یہ ہے کہ ان کے نزدیک تابعی کا علم کسی دوسرے طریق سے ہو جائے تو مذکور سند صحیح قرار پائے گی۔امام بزار نے اس کو مسند (کشف الاستار :۲۳۱۹) میں ذکر کیا ہے جہاں عکرمہ کی صراحت ہے۔

معاصر محققین کی رائے اور خلاصہ:

علامہ شعیب ارناؤوطؒ وغیرہ نے بھی اسی قسم کی کلام کی ہےاور انھوں نے مبہم تابعی کو ذکر کرتے ہوئے سند کو صحیح قرار دیا ہےالبتہ دو امور ان کے اضافی ذکر کردہ ہیں :

(۱)۔انھوں نے ایک طریق عفان بن مسلم سے اس سند کے ساتھ ابن سعد (۱/ ۴۱۷)کے حوالے سے بھی نقل کیا ہے اور ایک دوسرا''عن ھدبۃ بن خالد عن حماد بن سلمۃ بہ''سے ابو الشیخ کی اخلاق النبی کے حوالے سے نقل کیا ہے ،جو کہ صحیح ہیں۔

(۲)۔دوسرا انھوں نے تعلیق میں نبی کریم ﷺ کی صفتِ مشی کے حوالے سے ایک شاہد بھی ذکر کیا ہے جو علی بن ابی طالبؓ سے ہے اور مسند احمد میں برقم ۶۸۴اور ۷۴۶ گزر چکا ہے۔[20]

یہ مسند دونوں محققین کے نزدیک صحیح ہے اور اس کے تمام روات صحیح کے روات ہیں۔جبکہ اس میں صحابی کا مجہول ہونا مضر نہیں کیونکہ اس کی صراحت کہ وہ''عکرمہ''ہے مسند بزاد میں موجود ہے (واللہ اعلم بالصواب)

خلاصہ بحث:

- مجہول سے روایت کی قبولیت میں احمد شاکرؒ جمہور کے موقف کے قائل ہیں کہ توثیقِ ضمنی بھی مقبول نہیں اور نہ ہی مجہول سے بیان کرنے والے کے قول برائے توثیق کی کوئی حیثیت ہے۔اس لیے کہ عین ممکن ہے مجہول اس کے نزدیک تو ثقہ ہو تاہم اس کے غیر کے نزدیک وہ متکلم فیہ یا مجروح ہو۔
- احمد شاکرؒ کے نزدیک کسی راوی کا کہنا کہ میں جس سے بھی روایت لوں گا وہ ثقہ ہی ہوگا، یہ بھی محدثین کے ہاں مردود ہے۔اس لیے کہ عین ممکن ہے یہ اس کا زعم ہو کہ وہ ثقہ سے ہی روات لیتا ہے حالانکہ وہ جمہور کے نزدیک غیر معتبر اور نا قابل حجت ہو۔
- مجہول العین کی جب تک عدالت ثابت نہ ہوگی روایت مقبول نہیں ہوگی،اگرچہ اس سے دو یا زائد مشاہیر محدثین ہی بیان نہ کریں۔یہ ضابطہ جمہور کا ہے جس کو احمد شاکرؒ نے ترجیح دیتے ہوئے اختیا کیا ہے۔
- احمد شاکرؒ کے نزدیک مجہول یا مستور کی ظاہری عدالت ہی قبولِ روایت میں کافی ہے۔باطنی عدالت اگر معلوم نہ ہو تو ظاہری عدالت فیصلہ کرتی ہے کہ مستور کی مرویات کو قبول کر لیا جائے۔
- احمد شاکرؒ کا مجہول الحال کی روایت کو اپنے اصول کے مطابق قبول نہ کرنا اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ راوی غیر موثق اور غیر معروف بالعلم والروایہ ہے کیونکہ اس سے محض ایک ہی راوی نے حدیث بیان کی ہے جو توثیق یا تعدیل کے لیے بہرحال ناکافی ہے۔

حوالہ جات وحواشی

[1] الباعث الحثیث:۷۹

[2] ایضا

[3] شرح الفیۃ السیوطی :۷۸،۷۷

[4] الباعث الحثیث:۸۰

[5] شرح الفیۃ السیوطی:۷۸

[6] ایضا

[7] شرح الفیۃ السیوطی:۷۹

[8] البرھان فی اصول الفقہ:۱/۶۱۴

[9] فتح المغیث:۲/۵۴

[10] شرح الفیۃ السیوطی:۷۹

[11] المسند لاحمد/ط شاکر:۱/ ۳۵۴-۴۴۳

[12] المسند/ ط شاکر:۱/ ۴۰۳-ح:۵۵۹

[13] المسند/ط الرسالۃ:۱/ ۴۹۶-ح،۴۴۳

[14] المسند/ ط شاکر:۵/ ۲۱۹-ح:۵۷۳۲

[15] إسناده ضعيف جداً، بقية بن الوليد الحمصي يدلس تدليس التسوية وهو شر أنواعه، وعثمان بن زفر- وهو الجهني- مجهول الحال، وقد ذكره ابن حبان في "الثقات"على عادته في توثيق المجاهيل، وهاشم، قال الحسيني: لا أعرفه، وأقره الحافظ في"التعجيل"، فهو مجهول الحال والعين، وقد سُمِّي

في بعض الطرق هاشم الأوقص، فإن كان هو، فغير ثقة كما قال البخاري فيما نقله عنه ابن عدي في "الكامل"2576/7، ثم إن في الإسناد اضطراباً كما سيأتي في التخريج.وأخرجه عبد بن حميد في"المنتخب" (849) عن الأسود بن عامر، بهذا الإسناد.وأورده الهيثمي في"مجمع الزوائد" 292/10، وقال: رواه أحمد من طريق هاشم، عن ابن عمر، وهاشم لم أعرفه، وبقية رجاله وثقوا على أن بقية مدلس.وأخرجه البيهقي في"الشعب" (6114) من طريق سعيد بن يزيد بن عقبة، حدثنا بقية بن الوليد، حدثني يزيد بن عبد الله الجهني،عن هاشم الأوقص، عن ابن عمر، مرفوعاً.وقال البيهقي: تفرد به بقية بإسناده هذا، وهو إسناد ضعيف.قلنا: يزيد بن عبد الله الجهني، مجهول، وقال الذهبي في ترجمته في"الميزان" 431/4:لايصح خبره.وأخرجه الخطيب في"تاريخ بغداد"21/14 من طريق هارون بن أبي هارون العبدي، عن بقية بن الوليد، عن مسلمة الجهني، عن هاشم الأوقص، عن ابن عمر، مرفوعاً.وأخرجه الخطيب أيضاً في"تاريخه"21/14 من طريق أحمد بن الفرج الحمصي، عن بقية، عن يزيد بن عبد الله الجهني، عن أبي جعونة، عن هاشم الأوقص، عن ابن عمر مرفوعاً. وأخرجه الخطيب في"تاريخه" 21/14 من طريق مؤمل بن الفضل، عن بقية بن الوليد، عن جعونة، عن هاشم الأوقص، عن نافع، عن ابن عمر مرفوعاً.وهذه أسانيد مظلمة، فيها من لم نجد له ترجمة، وقال الذهبي في"المقتنى" في ترجمة أبي جعونة (1142) : لم يصح خبره.وأخرجه ابنُ حبان في"المجروحين"37/2-38 من طريق عبد الله بن أيوب بن أبي علاج الموصلي، عن مالك، عن نافع، عن ابن عمر، مرفوعاً.وعبد الله بن أيوب متهم بالوضع، كذاب، مع أنه من كبار الصالحين، وقد أورد حديثه الذهبي فى "الميزان" 394/2 من طريق ابن حبان، ثم قال: وهذا كذب.ونقل الزيلعي في "نصب الراية" 325/2 عن أبي طالب، قال: سألت أبا عبد الله عن هذا الحديث، فقال: ليس بشيء، ليس له إسناد.قوله:"وفيه درهم حرام"، قال السندي: أي: وفي مجموع العشرة أو في ذلك الثمن، ولهذا ذكّر ضمير "فيه"، والحديث يدل على تعيين الثمن بالأداء أو بالإشارة إليه عند العقد، وأنه يحرم استعمال البيع إذا لم يكن ثمنه حلالًا، وأن القليل من الحرام يغلب على الكثير من الحلال.صُمَّتا بضم مهملة وتشديد ميم، أي: كفّتا عن السماع.

16 المسند / ط الرسالة:١٠/ ٢٦ح_٥٧٣٢

17 المسند / ط شاکر:٥/ ٤٥١_٦١٩٧٢

18 المسند / ط شاکر:٣/ ٣٢١_ح_٣٠٣٤٢

19 ایضا

20 المسند / ط الرسالة:٥/ ١٦٠_٣٠٣٣